پروفیسر حافظ احمد یار

سورۃ البقرۃ

آیات ۶۹ ـ ۷۱

(گزشتہ سے پیوستہ)

ملاحظہ: کتاب میں حوالہ کے لیے قطعہ بندی (پیراگرافنگ) میں بنیادی طور پر تین ارقام (نمبر) اختیار کیے گئے ہیں۔ سب سے پہلا (دائیں طرف والا) ہندسہ سورۃ کا نمبر شمار ظاہر کرتا ہے اس سے اگلا (درمیانی) ہندسہ اس سورۃ کا قطعہ نمبر (جو زیرِ مطالعہ ہے اور جو کم از کم ایک آیت پر مشتمل ہوتا ہے) ظاہر کرتا ہے۔ اس کے بعد والا (تیسرا) ہندسہ کتاب کے مباحثِ اربعہ (اللغۃ، الاعراب، الرسم، الضبط) میں سے زیرِ مطالعہ مبحث کو ظاہر کرتا ہے یعنی علی الترتیب اللغۃ کے لیے ۱، الاعراب کے لیے ۲، الرسم کے لیے ۳ اور الضبط کے لیے ۴ کا ہندسہ لکھا گیا ہے بحث اللغۃ میں چونکہ متعدد کلمات زیرِ بحث آتے ہیں اس لیے یہاں حوالہ کی مزید آسانی کے لیے نمبر ۱ کے بعد قوسین (بریکٹ) میں متعلقہ کلمہ کا ترتیبی نمبر بھی دیا جاتا ہے۔ مثلاً ۲:۵:۱(۳) کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث اللغۃ کا تیسرا لفظ اور ۲:۵:۳ کا مطلب ہے سورۃ البقرہ کے پانچویں قطعہ میں بحث الرسم۔ وھکذا۔

۲:۴۴:۲ الإعراب

زیرِ مطالعہ قطعۂ آیات (۶۹-۷۱) نحوی اعتبار سے آٹھ مستقل جملوں پر مشتمل ہے جس میں سے بعض بلحاظِ مضمون مربوط ہیں۔ اس طرح ان آیات کو ترکیب نحوی اور جملہ وار تجزیہ کے لیے کل چھ جملوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔ تفصیل یوں ہے۔

(۱) قالوا ادع لنا ربك يبيّن لنا ما لونُها ؕ

اس کا ابتدائی حصہ (قالوا .... یبین لنا) اس سے پہلے البقرہ:۶۸ میں مع بیان اعراب گزر چکا ہے [۲:۴۳:۲] میں ۲۔ اس عبارت کے بعد وہاں تھا "ماھِیَ" اور یہاں ہے [ما لونُها] جو اعرابی صورت وہاں "ماھِیَ" کی تھی وہی یہاں "ما لونها" کی ہے یعنی "ما" استفہامیہ بطور خبر مقدم

© rasailojaraid.c

ہے لہٰذا محلاً مرفوع ہے۔ اور "لونہا" مضاف مضاف الیہ (لون+ ھا) مل کر مبتدأ مؤخر (مرفوع) ہے۔ (اور بعض کے نزدیک "ما" مبتدأ مرفوع اور "لونہا" خبر مرفوع ہے) بہرصورت "لونُھا" میں علامتِ رفع "ن" کا ضمہ (ـُـ) ہے (اسماء استفہام کے فقرے میں مبتدأ یا خبر واقع ہونے کے فرق کی توجیہ بھی البقرہ: ۲۸ کے "الاعراب" میں [۲:۲۰:۲] میں بیان ہو چکی ہے)۔ یہ آخری جملہ اسمیہ (مالونُھا) یہاں فعل "یبیّن" کا مفعول ہو کر محل نصب میں ہے۔ اس لیے کہ یہاں اگر "ما" نہ ہوتا تو "لونَھا" منصوب ہو کر اس فعل "یبیّن" کا مفعول بن سکتا تھا یعنی بصورت "یُبیّن لنا لونَھا" (کہ وہ واضح کرے ہمارے لیے اس کا رنگ)۔ زیر مطالعہ عبارت میں "ادع لنا" سے لے کر "لونہا" تک کی عبارت ابتدائی "قالوا" کا مقول ہو کر محلاً منصوب بنتی ہے یعنی "انھوں نے کہی (یہ بات)۔۔"

(۴) قال انہ یقول انہا بقرۃ صفراء فاقعٌ لونُھا تسر الناظرین

اس عبارت کا ابتدائی حصہ (قال انہ یقول انہا بقرۃ) بھی اس سے پہلے البقرہ: ۶۸ ہی میں بلحاظ اعراب زیر بحث آچکا ہے دیکھئے [۲:۴۳:۲] میں ۵ وہاں بھی "بقرۃٌ" کے بعد والی عبارت (لافارض ولا بکر عوان بین ذٰلک) اسی لفظ (بقرۃ) کی صفت کے طور پر آئے تھے۔ اور یہاں بھی اسی لفظ (بقرۃ) کے بعد کی عبارت (صفراءُ فاقع لونہا تسر الناظرین) اسی (بقرۃ) کی صفت کے طور پر آئے ہیں۔ اور اس (صفت والی) عبارت کے اعراب یوں ہیں۔

[صفراءُ] بقرۃٌ کی پہلی صفت ہے لہٰذا مرفوع ہے اس میں علامتِ رفع آخری ہمزہ کا ضمہ (ـُـ) ہے کیونکہ یہ اسم غیر منصرف ہے۔ [فاقعٌ] اسم الفاعل بصورت صفت آیا ہے اور یہ بھی گائے کی دوسری صفت ہے مگر یہاں اس صفت نے (اسم الفاعل ہونے کے باعث) فعل کا سا عمل کیا ہے جس کی وجہ سے [لونُھا] مضاف مضاف الیہ مل کر اس (صفت) کا فاعل ہو کر مرفوع ہو گیا ہے۔ گویا اصل (تقدیر) عبارت تھی "فقع لونُھا" (اس فعل کے معنی دیکھئے اوپر [۲:۴۴:۱(۴)] میں یعنی لفظاً "شوخ زرد ہوا اس کا رنگ") اور "فاعل" (لون) کے مذکر ہونے کی وجہ سے اسم الفاعل (فاقع) مذکر آیا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "فاقعٌ" کو خبر مقدم اور "لونہا" کو مبتدأ مؤخر سمجھ لیں گویا دراصل عبارت بنتی ہے "لونُھا فاقعٌ" (اس کا رنگ شوخ زرد ہے) اور دراصل گائے کی صفت صرف "فاقع" نہیں بلکہ پورا جملہ "فاقع لونہا" ہے [تسر] فعل مضارع معروف واحد مؤنث غائب ہے جس میں ضمیر "ھی" برائے "فاعلہ" شامل ہے (یعنی وہ گائے خوش کرتی ہے) [الناظرین] اس فعل (تسر) کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے علامت نصب یائے ساکنہ ماقبل مکسور (ـِـ ی)

© rasailojaraid

ہے۔("الناظرین" کے رسم قرآنی پر آگے "الرسم" میں بات ہوگی)۔اور یہ پورا جملہ فعلیہ (تسر الناظرین) "بقرہ" کی تیسری صفت ہے (لہٰذا یہ بھی محلاً مرفوع۔ جملہ۔ ہے)۔یعنی وہ گائے) خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو:

● بعض نحویوں نے "تسر" کی ضمیر فاعل "لونھا" کے "لون" کے لیے قرار دی ہے یعنی "لونھا تسر الناظرین" (اس کا رنگ خوش کرتا ہے دیکھنے والوں کو)۔اور "لون" کے لیے صیغہ تانیث (تسر) کی یہ توجیہ کی ہے کہ وہ (لون) مؤنث (ھا) کی طرف مضاف ہے۔لہٰذا اسے مؤنث کہا جا سکتا ہے۔یا یہ کہ یہاں "لون" سے مراد "صُفْرَۃٌ" (زردی) ہے اس لیے بلحاظ معنی صیغہ تانیث آیا ہے۔تاہم یہ دونوں توجیہات تکلف سے خالی نہیں ہیں اور محض "علم بگھارنے" والی بات ہیں۔مقدم الذکر توجیہ زیادہ معقول اور بآسانی قابلِ فہم ہے۔

(۳) قالوا ادع لنا ربك يبين لنا ما هي ان البقر تشابه علينا۔ وانا ان شاء الله لمهتدون

اس عبارت میں "قالوا" کے بعد (مقول) تین جملے ہیں جو مفعول (مقول) ہونے کے لحاظ سے سب محل نصب میں ہیں اور بلحاظ مضمون باہم مربوط ہیں (سب "قالوا" سے متعلق ہیں)۔ان میں سے پہلے جملہ (ادع لنا ربك يبين لنا ما هي؟) کے اعراب بعینہ اسی قسم کے (اور اسی عبارت والے) سابقہ جملے میں (گزشتہ قطعہ میں) بیان ہو چکے ہیں دیکھئے [۲:۴۳:۲] [ ] میں ملا۔

● دوسرا جملہ "ان البقر تشابه علينا" ہے (یعنی انہوں نے یہ بات بھی کہی کہ) [إنّ] حرف مشبہ بالفعل اور [البقرَ] اس کا اسم منصوب ہے۔[تشابه] فعل ماضی معروف صیغہ واحد مذکر غائب ہے جس کی ضمیر الفاعل (ھو) "البقرَ" کے لیے ہے اور یہ جملہ فعلیہ ہو کر "إنّ" کی خبر ہے۔لفظ (البقر) اپنی ظاہر صورت کے لحاظ سے (بلحاظ لفظ) واحد ہے (اسی لیے فعل "تشابه" اس کے مطابق واحد مذکر آیا ہے)۔اور بلحاظ معنی (پوری جنس۔ گائے بیل کے لیے ہونے کی بنا پر) جمع بھی ہے [اس لئے اگر یہاں "تشابهت" یا "تشابَهُ"۔(صیغہ مضارع واحد مؤنث غائب (تَتَشَابَهُ) ایک "تا" کے حذف کے ساتھ) ہوتا تو عربی میں یہ جائز ہوتا مگر قرآن کریم میں قراءت روایتِ متواتر کے تحت ہوتی ہے اس میں صرفی یا نحوی قیاس نہیں چلتا۔البتہ یہ باتیں صرف عربی زبان سیکھنے میں مدد دے سکتی ہیں]۔[علينا] جار مجرور (على + نا) مل کر فعل "تشابهَ" سے متعلق ہیں۔اس فقرے (ان البقر تشابه علينا) کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے: "بے شک سب گائے بیل باہم ملتے جلتے ہو گئے (ہیں) ہم پر"۔اس کو بامحاورہ بنانے کے لیے بعض مترجمین نے بہت سے

© rasailojaraid

بیل (اور گائیں) ہمیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں"۔ یا "ہم کو تو بہتیری گائیں (یا بیل) ایک طرح کی دکھائی دیتی ہیں"۔ سے ترجمہ کیا ہے اور چونکہ دو چیزوں کا باہم ملتا جلتا ہونا جو تشابہ کے بنیادی معنی ہیں) اشتباہ (شبہ میں پڑنا) اور التباس (شک میں پڑنا) کا باعث ہو سکتا ہے اس لیے بعض مترجمین نے "تشابُہ" (مصدر) کا ترجمہ "اشتباہ" (مصدر) سے کر لیا ہے یعنی "ہم کو قدرے اشتباہ ہو گیا ہے/ ہم کو شبہ ہو گیا ہے/ گایوں میں/ بیلوں میں۔ اسے ہم توضیحی اور بامحاورہ ترجمہ تو کہہ سکتے ہیں مگر یہ اصل لفظ (تشابُہ) کے بنیادی معنی سے ذرا ہٹ کر ہی ہے۔ کیوں کہ ایک ہی مادہ (شبہ) سے مشتق ہونے کے باوجود "تشابہ" (باب تفاعل) اور "اشتباہ" (باب افتعال) کے معنی اور استعمال جدا جدا ہیں۔ یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ بیشتر مترجمین نے یہاں (غالباً محاورہ کی خاطر) "اِنَّ" کا ترجمہ نظر انداز کر دیا ہے۔

● تیسرا جملہ "وانّا ان شاء اللہ لمھتدون" ہے یعنی پہلی دو باتوں کی طرح یہ بھی ان کے "قول" میں شامل ہے۔

[اِنّا] اور [illegible] یہ "اِنَّ" اور اس کے اسم (ضمیر منصوب (نا) پر مشتمل ہے یعنی یہ "اِنَّنَا" کی ہی دوسری شکل ہے۔ قرآنِ کریم میں دونوں صورتیں استعمال ہوئی ہیں [اِنْ] حرفِ شرط ہے اور [شاء] فعل ماضی معروف (واحد مذکر غائب) ہے جس کا فاعل [اللہ] (لہٰذا مرفوع) ہے [لمھتدون] یہ "اِنَّ" (اِنّا" والا) کی خبر ہے اس لیے مرفوع ہے اور اس پر لامِ مزحلقہ برائے تاکید آیا ہے۔ گویا اصل جملہ تو ہے "اِنّا لمھتدون"

● اب اس جملہ (انا لمھتدون) کے مبتدأ و خبر (اسم اِنَّ اور خبر اِنَّ) کے درمیان جو جملہ بطور (بیان) شرط (اِن شاء اللہ) آیا ہے۔ اس کے جوابِ شرط کے بارے میں نحویوں کی مختلف آراء کی روشنی میں دو صورتیں ممکن ہیں۔

(الف) ایک تو یہ کہ خود جملہ "انا لمھتدون" میں "اِنَّ" کی خبر "لمھتدون" ہی (بمعنیٰ "اھتدینا") اس کا جوابِ شرط موجود ہے۔ کیونکہ شرط کا "فعل" جوابِ شرط میں بھی ایک "فعل" چاہتا ہے۔ گویا بلحاظ معنی تقدیر عبارت یوں بنتی ہے "اِن شاء اللہ (ھدایتنا) اھتدینا" (یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہماری ہدایت چاہے گا تو ہم ہدایت پالیں گے)۔ اس صورت میں فعل "شاءَ" (چاہا) کا مفعول "ھدایتنا" (ہماری ہدایت) بھی محذوف سمجھا گیا ہے۔ (خیال رہے کہ اوپر بصیغہ ماضی آنے والے افعال (شاء اور اھتدینا) کا ترجمہ بصیغہ مستقبل "اِنْ" شرطیہ کی وجہ سے مناسب ہے کیوں کہ شرط ماضی

© rasailojaraid
© rasailojaraid

پر نہیں ہوتی)۔

(ب) دوسری صورت (اِن شاء اللہ کے جواب کی) یہ ہوسکتی ہے کہ یہاں جوابِ شرط محذوف ہے اور خود یہ جملہ (انا.... لمهتدون) اس پر دلالت کرتا ہے یعنی یہ جوابِ شرط کے طور پر مقدم آیا ہے۔ اس لیے کہ جملہ شرطیہ کا پہلا حصہ (بیان شرط یعنی "ان شاء اللہ") یہاں جملہ معترضہ کے طور پر عبارت کے درمیان آیا ہے۔ اس کی مثال یہ ہے جیسے کہتے ہیں "اِنکَ ظالمٌ اِنْ فعلتَ کذا" (بے شک تو ظالم ہوگا اگر تو نے ایسا کیا (کرے گا) تو)۔ اس توجیہ کے مطابق تقدیر عبارت یوں بنتی ہے: "انا لمهتدون ان شاء اللہ (هدایتنا)" (ہم ہدایت پانے والے ہوں گے اگر اللہ (ہماری ہدایت چاہے گا تو)۔

● دونوں (مندرجہ بالا ا و ۲) صورتوں میں فعل "شاء" کا مفعول (هدایتنا) محذوف ہے۔ دوسری صورت (انا لمهتدون ان شاء اللہ...) میں کلمہ شرط (ان شاء اللہ) مؤخر ہے۔ مگر پہلی صورت (ان شاء اللہ انا لمهتدون) (ای اهتدینا) میں کلمۂ شرط مقدم مانا گیا ہے۔ اور غالباً یہی (پہلی صورت والی) وجہ ہے کہ اردو کے قریباً تمام مترجمین نے اس جملہ (بیان) شرط (ان شاء اللہ) کا ترجمہ پہلے کیا ہے اور (جواب شرط کے طور پر) "انا لمهتدون" کا ترجمہ بعد میں کیا ہے۔

● اس عبارت (زیرِ مطالعہ) کا لفظی ترجمہ تو بنتا ہے: "اور بے شک ہم اگر چاہا اللہ نے تو ضرور ہدایت پانے والے ہوں گے"۔ تاہم مندرجہ بالا پہلی صورت کو سامنے رکھتے ہوئے مترجمین نے ترجمہ کی ابتدا "خدا نے چاہا / خدا چاہے / خدا نے چاہا تو" سے کی ہے اور بعض نے "ان شاء اللہ" ہی رہنے دیا ہے کہ وہ اردو محاورہ میں مستعمل ہے۔ اور اس کے بعد "انا لمهتدون" کا ترجمہ غالباً محاورے کی مجبوری کی بنا پر جملہ اسمیہ کی بجائے جملہ فعلیہ سے کیا ہے۔ یا اس کی وجہ یہ ہے کہ جوابِ شرط یہاں فعل "شاء" کے مقابلے پر فعل (اهتدینا) ہی بنتا ہے جیسے اوپر بیان ہوا ہے۔ البتہ بصورت فعل ترجمہ بوجہ شرط مستقبل سے ہی کیا ہے یعنی: "ہم راہ پالیں گے، ضرور راہ پا جائیں گے، ٹھیک سمجھ جائیں گے، ٹھیک پتہ لگا لیں گے، ہمیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی" کی صورت میں۔ بظاہر یہ سب "لمهتدون" کی بجائے "لنهتدِی" کا ترجمہ (یا مفہوم) معلوم ہوتے ہیں مگر شرط کے ساتھ مستقبل کا مفہوم اس کے سوا (شاید) پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔

④ قال انه یقول انها بقرة لا ذلول تثیر الأرض ولا تسقی الحرث مسلمةٌ لاشیة فیها۔

یہ پوری عبارت اس گائے کی صفت بیان کرتی ہے۔ اس عبارت کا ابتدائی حصہ "قال انه

© rasailojaraid
© rasailojaraid

یقول انها بقرة " اس سے پہلے آیت ۶۸ اور پھر ۶۹ میں گزر چکا ہے دیکھئے [۲:۴۳:۲] میں ۵ اور [۲:۴۴:۲] میں ۲۔ مذکورہ بالا دونوں مقامات کی طرح یہاں بھی "بقرة" کے بعد والی عبارت اس (بقرہ) کی تین ہی صفات بیان کرتی ہے [یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اس سے پہلے آیت ۶۸ [۲:۴۳:۲ (۵)] میں بھی تین ہی صفات بیان ہوئی تھیں یعنی "لا فارضٌ، ولا بکرٌ، عوانٌ بین ذلک"۔ پھر آیت: ۶۹ [۲:۴۴:۲ (۲)] میں بھی تین ہی صفات مذکور ہوئی تھیں، یعنی "صفراء فاقع لونها اور تسرّ الناظرین"۔ اور اب یہاں بھی تین ہی صفات بیان ہو رہی ہیں جن کی اعرابی تفصیل یوں ہے:

[لا ذلولٌ] آیت: ۶۸ والے "لا فارضٌ" کی طرح یہاں بھی "لا" تو برائے نفی (نہیں) ہے اور "ذلولٌ" "بقرةٌ" کی صفت ہے۔ اسم صفت کے طور پر "فَعُولٌ" کا وزن مذکر مؤنث دونوں کے لیے یکساں ہوتا ہے مثلاً کہتے ہیں: "رجل صبور وامرأة صبورٌ" ۔ اس لیے یہاں ذلولٌ بلحاظ صفت "بیل" والے معنی کی تائید نہیں کرتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں "ذلولٌ" سے پہلے ایک مبتدأ (ہی) محذوف مانا جائے اور یہ جملہ (ہی ذلولٌ) "بقرة" کی صفت کا کام دے۔ [تُثیر الارض] میں "تثیر" فعل مضارع معروف (واحد مؤنث غائب) ہے جس میں ضمیر الفاعلہ (ھی) موجود ہے۔ اور "الأرضَ" اس فعل (تثیر) کا مفعول بہ (لہٰذا) منصوب ہے اور یہ فقرہ (تُثیر الارضَ) یا تو "ذلولٌ" کا حال لہٰذا محلاً منصوب ہے یعنی "وہ" ذلول "نہیں ہے کہ ایسی حالت میں ہو کہ ہل چلاتی ہو"۔ یا پھر یہ جملہ (تثیر الارض) "ذلول" ہی کی (جو کہ نکرہ موصوفہ ہے) مزید صفت ہو کر محل رفع میں ہے۔ یعنی وہ "ذلول" جو کہ زمین پھاڑتی / ہل چلاتی ہے"۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسے بھی ایک محذوف مبتدأ (ھی) کے ساتھ الگ جملہ سمجھا جائے یعنی "ھی تثیر الارضَ"۔ اگرچہ بعض کتبِ اعراب میں یہ سارے اعرابی امکانات مذکور ہوئے ہیں[1] تاہم درست بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ اسے صفت ہی سمجھا جائے اس لیے کہ فعل مضارع کا صیغہ اگر کسی اسم معرفہ کے ساتھ آئے تو عموماً اسے حال قرار دیا جا سکتا ہے جیسے کہیں "رأیتُ الرجل یکتب" (میں نے آدمی کو دیکھا کہ وہ لکھتا تھا (یعنی لکھتے ہوئے دیکھا)۔ اور اگر صیغۂ مضارع کسی اسم نکرہ کے بعد ہو تو وہ عموماً اس (نکرہ موصوفہ) کی صفت ہوتا ہے۔ جیسے آپ کہیں "رأیت رجلاً یکتب" (میں نے ایک ایسے آدمی کو دیکھا جو لکھ رہا تھا)۔

---

[1] مثلاً التبیان (للعکبری)، ۱: ۷۶

© rasailojaraid

● بہرحال اگر اسے حال بھی سمجھا جائے تو بھی اردو میں حال کے ساتھ ترجمہ کرنا محاورے میں فٹ نہیں بیٹھتا۔ اس لیے۔ اور شاید صفت ہی سمجھتے ہوئے بھی۔ اکثر مترجمین نے اردو میں اس کا ترجمہ بصورتِ صفت ہی کیا ہے۔ یہ تراجم [۲:۴۴:۱(۸)] میں گزر چکے ہیں۔

[وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ] میں "لا" تو فعل مضارع کو منفی کرنے کے لیے ہے اور "وَلَا" کی تکرار کے باعث (پہلے "لا ذلولٌ" کے ساتھ آیا ہے) اردو ترجمہ "اور نہ ہی" سے ہونا چاہیے۔ تاہم چونکہ بیشتر مترجمین نے "لا ذلولٌ" کا ترجمہ "نہ تو" ذلول" (کمیری، محنت والی وغیرہ) ہے کرنے کے بعد (تثیر الارض) کا ترجمہ مثبت جملہ کی طرح "کہ زمین کو جوتتی ہو" وغیرہ کی صورت میں کیا ہے۔

[دیکھئے ۲:۴۴:۱(۸)]۔ اس لیے اس زیرِ مطالعہ منفی جملہ (ولا تسقی الحرث) کے ترجمہ میں غالباً اردو محاورے کی بنا پر "نہ ہی" نہیں لائے بلکہ سادہ منفی جملے کی طرح کر دیا ہے [دیکھئے ۲:۴۴:۱(۹)] ویسے "لا ذلول" کے "نہ تو" کے بعد یہاں "ولا" کا ترجمہ "اور نہ ہی" سے ہونا چاہیے مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

اس جملہ (لا تسقی الحرث) میں "لا تسقی" تو فعل مضارع منفی (واحد مونث غائب) ہے اور "الحرث" اس کا مفعول بہٖ (لہٰذا) منصوب ہے۔ اور یہ پورا جملہ فعلیہ (لا تسقی الحرث) بھی "ذلولٌ" کی صفت (یا حال) ہے۔ اور پھر یہ پورا جملہ (لا ذلول تثیر الارض ولا تسقی الحرث) زیرِ مطالعہ جملے میں بیان کردہ "بقرۃ" کی تین صفات میں سے پہلی صفت بنتا ہے۔ (یعنی ایسی گائے جو ذلول نہ ہو کہ ہل چلاتی اور آبپاشی کے کام آتی ہو)۔

[مُسَلَّمَةٌ] یہ اس (زیرِ مطالعہ اعرابی) عبارت میں "بقرۃ" کی دوسری صفت ہے۔ (یعنی "بقرۃٌ مسلّمۃٌ") اور یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہاں بھی ایک مبتدأ (ھی) محذوف ہے اور پھر "ھی مسلّمۃ" بصورتِ جملہ "بقرۃ" کی صفت بنتی ہے۔ [لَا شِيَةَ فِيهَا] میں "لا" تو نفی جنس والا ہے اور "شِيَةَ" اس کا اسم منصوب (مبنی بر فتحہ ــَـ) ہے اور "فیھا" جار مجرور (فی + ھا) اس "لا" لنفی الجنس کی خبر کا کام دے رہا ہے لہٰذا محلاً مرفوع ہے اور یہ جملہ (لا شیۃَ فیھا) "مسلّمۃ" کی صفت بھی بن سکتا ہے۔ (یعنی ایسی "مسلمۃ" جو کہ "لا شیۃَ فیھا" ہے۔ اور پھر یہ سب مل کر (مسلمۃ لا شیۃَ فیھا) "بقرۃ" کی صفت بن سکتا ہے۔ (ایسی "صحیح سالم" جس میں کسی طرح کا داغ دھبّہ نہ ہو)۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس "لا شیۃ فیھا" (اس میں کوئی داغ نہیں) کو ہی "بقرۃ" کی تیسری صفت (پہلی "لا ذلول" دوسری "مسلّمۃ") سمجھ لیا جائے۔ "مسلمۃ لا شیۃ فیھا" کے تراجم کے لیے دیکھئے [۲:۴۴:۱(۱۱-۱۲)]۔

© rasailojaraid.c
© rasailojaraid.c

⑤ قالوا الآنَ جئتَ بالحق۔ ("الآن" کے رسم قرآنی پر آگے "الرسم" میں بات ہوگی) ——

[قالوا] فعل ماضی معروف صیغہ جمع مذکر غائب ہے جس میں ضمیر الفاعلین (ھم) بھی شامل ہے۔

[الآن] ظرف زمان (بمعنی "اب - اس وقت") فعل "جئتَ" سے متعلق ہے۔ اور [جئتَ] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعل "أنتَ" (تو) ہے۔ [بالحق] میں "باء" (ب) تو تعدیہ کے لیے ہے جس سے "الحقّ" فعل "جئتَ ب ...." کا مفعول بنا ہے اور محلاً منصوب ہے۔ اس کا ترجمہ وغیرہ [۲:۴۴:۱(۱۴)] میں گزر چکا ہے۔

⑥ فذبحوھا وما کادوا یفعلون۔

ابتدائی فاء [فَ] عاطفہ ہے۔ اور [ذبحوا] فعل ماضی معروف مع ضمیر الفاعلین "ھم" ہے اس میں "واو الجمع" (آخری واو) کے بعد والا الف زائدہ ضمیر مفعول کے ساتھ آنے کی وجہ سے نہیں لکھا گیا۔ الف فعل کی بات کرتے وقت سمجھانے کے لیے ہم نے یہ الف لکھا ہے۔ [ھا] ضمیر منصوب اس فعل (ذبحوا) کا مفعول بہ ہے اور (اسی) ضمیر کے مفعول آنے کی وجہ سے "ذبحوا" کی بجائے فعل کو بصورت "ذبحو" لکھا گیا ہے [وَ] یہاں حالیہ ہی ہو سکتی ہے [ما] نافیہ ہے اور [کادُوا] فعل مقارب صیغہ ماضی (جمع مذکر غائب) ہے اور اس کے بعد [یفعلون] فعل مضارع معروف (جمع مذکر غائب) ہے اور یہ وہ فعل ہے جسے نحو میں "کاد" کی خبر کہا جاتا ہے، کاد کے استعمال پر البقرہ: ۲۰ [۲:۱۵:۱(۱)] میں بات ہوئی تھی۔ اور جس کے ہونے یا نہ ہونے کو فعل "کاد" کا منفی یا مثبت استعمال متعین کرتا ہے۔ خیال رہے اگر فعل مقارب (کاد) بصورت ماضی منفی ہو (جیسے یہاں "ماکادوا" ہے) تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ وہ فعل ہو تو گیا اگرچہ ہوتا لگتا (ہونے کے قریب) نہ تھا" اور اگر فعل مقارب بصورت ماضی مثبت (مثلاً "کاد" وغیرہ) ہو تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ فعل (ابھی) ہوا تو نہیں اگرچہ ہونے کے قریب (آلگا) تھا"

۲:۴۴:۳ الرسم

زیر مطالعہ قطعۂ آیات (البقرہ: ۶۹ - ۷۱) میں بلحاظ "الرسم" صرف مندرجہ ذیل کلمات توجہ طلب ہیں۔ یہاں فرق سمجھانے کے لیے پہلے ان کو عام رسم املائی" میں لکھا جاتا ہے۔ پھر ان کے رسم قرآنی یا عثمانی پر بات ہوگی۔ یہ کل تین کلمات ہیں یعنی الناظرین۔ تشابہ اور الآن۔ تفصیل یوں ہے:

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

① النـاظرین ۔ کا قرآنی (عثمانی) رسم باتفاق "حذف الالف بعد النون" کے ساتھ ہے یعنی یہ بصورت "النظرین" لکھا جاتا ہے۔ یہ لفظ اس طرح بصیغہ جمع مذکر سالم (اور بحالت نصب یا جر) قرآن کریم میں کل پانچ جگہ آیا ہے اور ہر جگہ باتفاقِ علمائے رسم بحذف الالف بعد النون (یعنی "النظرین") ہی لکھا جاتا ہے۔ ترکی اور ایران کے مصاحف میں اسے عام رسم املائی کی طرح باثباتِ الف بعد النون لکھنے کی غلطی عام ہے۔ البتہ قرآنِ کریم میں دو جگہ لفظ "ناظرۃ" (واحد مؤنث) آیا ہے وہاں باتفاق اسے باثبات الف (مناظرۃ) ہی لکھا جاتا ہے۔ ان پر مزید بات حسبِ موقع ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

② تشـابـہَ : یہ لفظ جو باب تفاعل کا صیغہ ماضی (واحد مذکر غائب) ہے قرآن کریم میں اس (زیر مطالعہ) مقام پر باتفاق بحذف الالف بعد الشین یعنی بصورت "تشبہَ" لکھا جاتا ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں کل تین جگہ آیا ہے۔ (البقرہ: ۷۰، آل عمران: ۷ اور الرعد: ۱۶) اور ایک جگہ "تشابَهَتْ" (صیغہ واحد مؤنث غائب) بھی آیا ہے (البقرہ: ۱۱۸) اور پانچ چھ جگہ اس سے مشتق اسم الفاعل (متشابہ وغیرہ) آتے ہیں۔ ان میں سے صرف زیر مطالعہ آیت (البقرہ: ۷۰) میں ہی اسے "شین" کے بعد والے "الف" کے حذف کے ساتھ لکھنے پر اتفاق ہے (یعنی "تشبہ" کی شکل میں) باقی مقامات پر اس "الف" (بعد الشین) کے حذف و اثبات کے بارے میں "الدانی" اور "ابوداؤد" میں اختلاف ہے۔ ان مختلف فیہ کلمات (جن میں خود "تشابہ" بھی دو جگہ آتا ہے) کے رسم پر اپنی اپنی جگہ بات ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

③ الآنَ : یہ اس لفظ کا رسم املائی ہے اور یہاں جو بطور ضبط الف (بعد اللام) پر ایک مد (~) ڈالی گئی ہے یہ بھی عام املائی ضبط ہے قرآن کریم میں اس قسم کی مد صرف اس الف ماقبل مفتوح (ـَا) یا واو ماقبل مضموم (ـُو) یا اس یاء ماقبل مکسور (ـِی) پر لکھی جاتی ہے جن کے بعد کوئی ہمزہ (بصورت الف) سے لکھا جانے والا حرف آتے (جیسے مَآ اُنزِل، قالُوٓا اَنؤمن اور فِیٓ اٰذانھم میں ہے)۔ الآن کی یہ مد اس قسم کی نہیں ہے بلکہ یہ عربی رسم املائی میں اردو کے "آم" "آج" کی طرح لکھی جاتی ہے، قرآن کریم میں نہیں۔

● یہ لفظ قرآن کریم میں یہاں بالاتفاق بحذف الالف بعد اللام لکھا جاتا ہے یعنی بصورت "الـٰن"۔ اس کا ابتدائی ہمزہ تو ہمزۃ الوصل ہے مگر لام کے بعد والا ہمزہ قطع کا ہے۔ جسے پڑھا ضرور جاتا ہے اور اسے بذریعہ ضبط ظاہر کرنے کے مختلف طریقے ہیں جو آپ "الضبط" کے تحت دیکھیں گے۔

© rasailojaraid.com

اصل عثمانی مصاحف میں ہمزہ کہیں بھی نہیں لکھا گیا تھا۔ اہلِ زبان میں سے جو کسی لفظ میں ہمزہ پڑھتے (بولتے) تھے تو وہ سمجھ جاتے تھے اور جو اس لفظ میں ہمزہ نہیں بولتے تھے وہ اسے ہمزہ کے بغیر پڑھ لیتے تھے [دیکھئے البقرہ: ۱۴ [۲:۱۱:۳] میں "مستحضرون" کے رسم کی بحث] یوں اس لفظ کو لام اور نون کے درمیان ایک ہمزہ (بغیر نبرہ کے) لکھا جاتا ہے یعنی بصورت "الٔن"۔ تاہم افریقی مصاحف میں اس کے ضبط ظاہر کرنے کی اور صورتیں بھی ہیں جو آپ آگے دیکھیں گے مگر سب مصاحف میں اس لفظ کی اصل شکل "الن" ہی رہتی ہے۔ قرآنِ کریم میں یہ لفظ آٹھ جگہ آیا ہے اور ہر جگہ اسی طرح بحذف الف بعد اللام لکھا جاتا ہے۔ صرف ایک جگہ (الجن: ۹) میں یہ باثبات الف بصورت "الان" لکھا جاتا ہے۔ اس پر مزید بات اپنے موقع پر ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۲:۴۴:۴ الضبط

زیر مطالعہ آیات کے کلمات میں ضبط کا تنوع حسب ذیل نمونوں سے سمجھ سکتے ہیں۔

قَالُوْا، قَالُوا، فَالُوْا / ادْعُ، اُدْعُ، اُدْعُ / لَنَا، لَنَا، لَنَا / رَبَّكَ،
رَبَّكَ / يُبَيِّنْ، يُبَيِّن، يُبَيِّن / لَنَا / مَا، مَا / لَوْنُهَا، لَوْنُهَا،
لَوْنُهَا / قَالَ، قَالَ / اِنَّهٗ، اِنَّهٗ، إِنَّهٗ، ءِانَّهٗ / يَقُوْلُ، يَقُولُ / اِنَّهَا،
إِنَّهَا، ءِانَّهَا / بَقَرَةٌ، بَقَرَةٌ / صَفْرَآءُ، صَفْرَآءُ، صَفْرَآءُ / فَاقِعٌ، فَاقِعٌ / لَوْنُهَا،
لَوْنُهَا / تَسُرُّ، تَسُرُّ / النّٰظِرِيْنَ، النّٰظِرِينَ، النّٰظِرِينَ / قَالُوا ادْعُ لَنَا
رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا سب مثل سابق / مَا، مَا / هِيَ، هِيَ / اِنَّ، إِنَّ، ءِانَّ /
الْبَقَرَ، الْبَقَرَ، الْبَقَرَ / تَشٰبَهَ، تَشٰبَهَ، تَشٰبَهَ / عَلَيْنَا، عَلَيْنَا،
عَلَيْنَا / وَاِنَّآ، اِنَّا، إِنَّا، ءِانَّا / اِنْ، إِن، ءِان / شَآءَ، شَآءَ، شَآءَ /
اللّٰهُ، اللّٰهُ، اللّٰهُ / لَمُهْتَدُوْنَ، لَمُهْتَدُونَ، لَمُهْتَدُونَ / قَالَ اِنَّهٗ
يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ (سب مثل سابق) لَّا ذَلُوْلٌ، لَا ذَلُولٌ، لَا ذَلُولٌ / تُثِيْرُ

تُثِيرُ، تُثِيْرُ/ الْاَرْضَ، اَلْاَرْضَ، اَلْاَرْضَ/ وَلَاَ، لَا/ تَسْقِى، تَسْقِى/
الْحَرْثَ، اَلْحَرْثَ، اَلْحَرْثَ/ مُسَلَّمَةٌ، مُسَلَّمَةٌ/ لَاشِيَةَ، شِيَةَ/
فِيْهَا، فِيهَا، فِيهَا/ قَالُوا/ الْئٰنَ، اَلْئٰنَ، اٰلْئٰنَ، آٰلْئٰنَ/ جِئْتَ، جِئْتَ/
بِالْحَقِّ، بِالْحَقِّ، بِالْحَقِّ/ فَذَبَحُوهَا، فَذَبَحُوهَا/ وَمَا، مَا/ كَادُوا، كَادُوا،
كَادُوا/ يَفْعَلُوْنَ، يَفْعَلُوْنَ، يَفْعَلُوْنَ۔

© rasailojaraid.co

بقیہ : حرف اول

کتاب میں شائع کرنا پیش نظر ہے' ان میں سے ایک تو محترم ڈاکٹر صاحب کا وہ فکر انگیز مقالہ ہے جو انہوں نے ۲۱/اپریل ۸۶ء کو الحمرا آڈیٹوریم میں مرکزیہ مجلس اقبال لاہور کے زیر اہتمام یوم اقبال کی ایک تقریب میں "فکرِ اقبال کی روشنی میں' حالاتِ حاضرہ اور ہماری قومی ذمہ داریاں" کے زیر عنوان پیش کیا تھا۔ مزید بر آں علامہ اقبال کی زندگی' ان کے فلسفہ خودی اور ملتِ اسلامیہ کے نام علامہ کے پیغام' ایسے اہم موضوعات پر شارح کلام اقبال پروفیسر یوسف سلیم چشتی مرحوم کے بعض نہایت قیمتی مضامین کو بھی اس کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح سید نذیر نیازی کا ایک اہم مقالہ "اقبال اور قرآن" بھی ان شاء اللہ شاملِ کتاب ہو گا۔ یہ کتاب اللہ نے چاہا تو جولائی کے آخر تک چھپ کر آ جائے گی۔ OO

© rasailojaraid.co